ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایڈورڈ سعید بحیثیت شرق شناس

ڈاکٹر عارف حسین

وزٹنگ فیکلٹی، وفاقی اُردو یونیورسٹی آف آرٹس، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد

نادیہ حفیظ

پی ایچ۔ڈی اسکالر (اُردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

وسیم ارشد

معاون شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstruct:
Orientalism is an Urdu translation of the English book Orientalism published in 1978 by the famous Palestinian American Orientalist Professor Edward Saeed (1935-2003). It has been translated by Muhammad Abbas and published by National Language Authorit (National Language Promotion Department) Islamabad. Edward Saeed was one of the most prominent intellectuals of our time. Twenty of his books have been published on topics related to literature, culture, politics and linguistics, which have been translated into many languages of the world. The most thought-provoking book among them is Orientalism. This groundbreaking book provides a realistic critique of Orientalism that flourished under the shadow of Western imperialism. Professor Edward Saeed describes this branch of Western studies as a tool of the West's imperialist expansionism. According to him, the West invented this knowledge in order to dominate the East and to maintain its dominance. This mastery of western imperialism tries to re-interpret the eastern nations in the light of the past and present and keep them willing to accept the slavery of the slaves. Edward Said teaches the nations of the East to reject this imperialist ideology, not to accept distorted images of their past and to reclaim their own past.

Keywords:
شرق شناسی، ایڈورڈ سعید، ادارہ فروغ قومی زبان، قاہرہ، ہاورڈ، فلسطین

شرق شناسی کے حوالے سے ایڈورڈ سعید کی شخصیت کے بارے میں جاننا ضروری ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ شرق شناسی جیسے موضوع پر بحث کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہے۔ ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُردو ادب میں مشرق وسطی خصوصاً سرزمین فلسطین کا ذکر کئی حوالوں سے موجود ہے۔ اُردو ادب میں اس خطے کو اس کی تاریخی اور مذہبی اہمیت کے علاوہ عصر حاضر کی اس تحریکِ آزادی اور جدوجہد کی بنا پر بھی اہم سمجھا جاتا ہے۔ ایڈورڈ سعید کے بارے میں کسی نے بڑا ہی خوب صورت جملہ کہا ہے کہ یہ مغرب میں مشرق کے وکیل ہیں۔ انھوں نے جو کام کیا اس کو دنیا میں متعارف کروانے کے لیے ادارہ فروغ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان) اسلام آباد نے ان کی تین کتب کے ترجمے پیش کیے ہیں جن میں "Cultural and Imperialism" کا ترجمہ (ثقافت اور سامراج) "Orientalism" کا ترجمہ (شرق شناسی) اور "Covering of Islam" کا ترجمہ (اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ) کے عنوان سے کروایا گیا ہے۔ یہ تراجم ملک کے مشہور اور ماہرین مترجمین محمد عباس، یاسر جواد اور ظہیر جاوید کی کاوشوں کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔

ایڈورڈ سعید فلسطینی نژاد امریکی، ادبی تنقید نگار اور عوامی دانشور ہیں جنھوں نے استعماریت کے بعد ادبی و لسانی مضمرات کے مطالعے کے لیے تنقیدی نظریہ کی بنیاد ڈالی۔ ایڈورڈ سعید یروشلم فلسطین میں ایک تاجر کے ہاں یکم نومبر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ء کو نیو یارک میں وفات پائی۔ ان کے والد فلسطینی تھے جو امریکہ کی مہم جو فوج میں پہلی جنگ عظیم میں جنرل جان جے پرشنگ کی عمل داری میں بحیثیت سپاہی بھرتی ہوئے۔ ویدی سعید

(Wadie Said)اور اس کے خاندان کی فوجی خدمات کی بنا پر ان کو امریکہ کی شہریت دی گئی۔ ان کی والدہ (Hilda) لبنانی تھیں۔ ۱۹۱۹ء میں جنگ کے اختتام پر ان کا خاندان قاہرہ منتقل ہو گیا۔ ایڈورڈ سعید کا خاندان عیسائی تھا اور وہ خود مزاحمتی مزاج کے تھے۔ ایڈورڈ سعید جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ان کا بچپن بارہ سال تک قاہرہ اور یروشلم کی دو دنیاؤں کے درمیان گزرا۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے Jerusalem Anglican St Geroge's School میں داخلہ لیا۔ ایڈورڈ سعید اپنے ایک تجربے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"I have never know which was my first language and have felt fully at home in neither, although I dream in boath. Every time I speak an English sentences. I find myself echoning it in Arabic, and vice versa". (1)

۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخر میں ایڈورڈ سعید نے موخر الذکر سکول سے اپنی حاضریاں وکٹوریہ کالج کی ایک برانچ میں شامل کروالیں۔ اس کے ہم جماعت بڑے بڑے عہدوں تک پہنچ گئے۔ اس کالج کے قوانین بڑے سخت تھے۔ ان میں سے ایک قانون یہ بھی تھا کہ انگریزی زبان ہی سکول کی زبان ہو گی۔ ایڈورڈ سعید مسائل میں مبتلا کرنے والا طالب علم تھا اس لیے اسے وکٹوریہ کالج سے ۱۹۵۱ء میں نکال دیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں ایڈورڈ سعید نے ایم اے کیا اور ۱۹۶۴ء میں انگریزی ادب میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری ہاورڈ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ایڈورڈ سعید کو پیانو بجانے میں مکمل مہارت حاصل تھی۔ اس نے موسیقی کے بارے میں چار کتابیں لکھیں اور موسیقی کی ایک فاؤنڈیشن Said foundation in Seville کی بنیاد بھی رکھی جہاں موسیقی کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ ایڈورڈ سعید کی پہلی کتاب "Joseph Conrad and the Fiction of Autobiography" ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب جوزف کی کتاب "Heart of Darkness (1899)" ایڈورڈ سعید کے کیریئر اور پراجیکٹ کی بنیاد بنی۔ بعد ازاں ایڈورڈ سعید نے سترھویں صدی کے فلاسفر Giambattista اور دوسرے دانشوروں نے ایک کتاب "Beginings: Intention and method (1974)" مرتب کی جو ادب کے تنقیدی نظریات سے متعلق تھی۔

مابعد جدیدیت کے دانشوروں اور ساختیات کے فلاسفروں ژاک دریدا اور میشال فوکو کی طرح ایڈورڈ سعید بھی مغرب کے لوگوں کی سوچ ایک منفرد ثقافت اور معاشرتی عناصر، سیاست، ادب اور ان کے اثر و رسوخ سے متاثر ہوئے اور بعد ازاں انھوں نے استعماریت مخالف ادبی تنقید کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ شرق شناس پسند اس میں کافی کردار ادا کر چکے تھے۔ جین آسٹن، رڈیارڈ کپلنگ، ڈبلیو بی ییٹس اور دوسرے ادبی مصنفین کی ادبی ترجمانی نے ایڈورڈ سعید کو ادبی دانشور کی حیثیت سے کافی شہرت دی۔ ایڈورڈ سعید کو اس کی پیشہ ورانہ زندگی میں نقاد اور ایک ادبی دانشور ہونے کی حیثیت سے تقریباً بیس اعزازی ڈگریاں دی گئیں۔ ایڈورڈ سعید نے اپنی خود نوشت سوانح عمری ۱۹۹۹ء میں "Out of place" کے نام سے لکھی جس کو تین ایوارڈ ملے۔

ایڈورڈ سعید کے خیالات و نظریات کو سمجھنے میں اس کی چند کتب کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اُردو میں ترجمہ ہونے والی کتب جن میں "Culture and Imperialism" (ثقافت اور سامراج)، "Orientalism" (شرق شناسی) اور "Covering of Islam" (اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی کتب عقلی اور منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ علمی سطح پر بھی اپنی دھاک بٹھا چکی ہیں لہٰذا ان علمی کتب کے ترجمے میں اُردو مترجمین کی کاوشیں بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہیں جنھوں نے ایڈورڈ سعید کے خیالات کو اُردو قارئین تک پہنچانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔

شرق شناسی مترجم محمد عباس:

ایڈورڈ سعید کی کتاب "Orientalism" کا ترجمہ "شرق شناسی" کے نام سے محمد عباس (مرحوم) کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جسے ادارہ فروغ قومی (مقتدرہ قومی زبان)، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ محمد عباس کے بارے میں مختصر معلومات ان کے افراد خانہ سے حاصل کی گئی ہیں جس کے مطابق محمد عباس ۱۵۔ مئی ۱۹۳۷ء کو پاکستان کے شہر بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری فضل دین نے آپ کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ آپ نے کم عمری میں ہی ادب کی جانب بھرپور توجہ دی۔ آپ کو پنجابی، فارسی، اُردو اور انگریزی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ محمد عباس نے تعلیمی میدان میں ہر جگہ نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کراچی سے کیا۔ اس محکمہ کا بنیادی شعبہ بی۔ آئی۔ ڈی جہاں آپ نے ۱۹۸۰ء تک کام کیا۔ پھر ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک لاہور میں اس محکمہ کی ایک برانچ میں رہے۔ آپ بطور پریس اتاشی تہران میں بھی رہے جہاں ڈی جی انٹرنل پبلسٹی

رہے۔اس کے علاوہ لندن میں چند سال گزارے اور ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۶ء تک ریڈیو پاکستان میں ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد ریٹائرڈ ہو گئے ۔ان کے افراد خانہ کے مطابق:

"محمد عباس کتب پڑھنے کے دیوانے تھے۔ان کے مطالعہ خاص میں فارسی کتب شامل رہیں۔وہ انگریزی پر عبور رکھتے تھے اور اُردو ان کے گھر کی باندی تھی۔ آپ نے اخبارات میں بے شمار آرٹیکل لکھے۔ جس کام سے آپ کا نام روشن ہوا۔ وہ ایڈورڈ سعید کی کتاب "Orientalism" کا "شرق شناسی" کے نام سے ترجمہ ہے۔ان کے پاس تاریخ اسلام، فقہ، تفسیر، غالب، اقبال، فیض کے کلام موجود تھے۔ایڈورڈ سعید کی دوسری کتابیں بھی ان کے پاس تھیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے ایڈورڈ سعید کے بارے میں افکار و نظریات کا مکمل جائزہ لیا ہے۔"(۲)

"شرق شناسی" زیادہ تر ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء کے دوران سٹین فرڈ میں لکھی گئی تھی۔اس پراجیکٹ کو ابولغد، نوم چومسکی اور راجراودنے شروع سے لے کر آخر تک اپنی زیر نگرانی رکھا۔اس کتاب کے لکھے جانے کی وجہ مارکس کا وہ مقولہ ہے جو ایک طرح سے مستشرقین کا لائحہ عمل بن چکا تھا۔جیسا کہ کتاب کے مترجم محمد عباس نے لکھا ہے:

"چوں کہ وہ اپنی نمائندگی نہیں کر سکتے لہٰذا ان کی نمائندگی فرانسیسی اور برطانوی روایت کے مطابق "شرق شناسی" یا استشراق یورپئین تہذیب اور ثقافت کا لازمی جزو ہے۔"(۳)

"شرق شناسی" سے مراد نو آبادیوں کی نمائندگی ثقافتی اور نظریاتی طور پر کرنے کے لیے ایک خاص بیانیے کا استعمال ہے جس کے لیے اداروں، لغت، عالمانہ انداز، تمثال کاری، اقوال اور یہاں تک کہ نو آبادیاتی نوکر شاہی اور نو آبادیاتی انداز حکومت وغیرہ تک کی مدد لی جاتی ہے۔اکادمیاتی اعتبار سے یہ ایک اندازِ فکر ہے جس میں مشرق کے ساتھ کارپوریٹ مغرب کا رویہ مراد لیا جاتا ہے۔جس طرح مشرق ایک انسان کا ساختہ تصور ہے اسی طرح مغرب بھی ایک فرضی اور انسان ساختہ اصطلاح ہے۔اس سے مراد بنیادی طور پر طاقت اور تسلط کا تعلق ہے۔"شرق شناسی" سے متعلق تمام تر علم سامراجی مفادات اور بنیادی سیاسی حقائق سے ملا جلا ہے۔

گزشتہ پندرہ برسوں کے دوران پیش آنے والے حالات و واقعات کے حوالے سے ایڈورڈ سعید نے تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے حکومتوں کی پالیسوں پر تنقیدی بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مغرب میں ماہرین کی ایک ایسی فوج تیار ہو چکی ہے جس کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ میڈیا پر اسلام اور مسلمانوں کو سیاسی، ثقافتی، فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے دہشت گرد اور ہائی جیکر ثابت کریں۔ایڈورڈ سعید نے ایسے ہی کچھ اہم واقعات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ ۱۹۸۲ء میں بیروت میں امریکی سفارت خانے پر خود کش حملہ۔
۲۔ ۱۹۸۳ء میں بیروت کی فوجی بیرکوں میں ہونے والے بم دھماکے جس میں ۱۲۴۱ امریکی اور دیگر لوگ ہلاک ہوئے۔
۳۔ ۱۹۸۸ء میں پین۔ایم کی فلائٹ ۱۰۳ سکاٹ لینڈ کے شہر لاکربی کے اوپر دوران پرواز اڑا دی گئی اور ہلاکتوں کی تعداد ۲۷۰ تک جا پہنچی۔
۴۔ ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں ہونے والا حملہ وغیرہ۔"(۴)

ان سب واقعات میں مسلمان ممالک یا تنظیمیں ملوث تھیں کیوں کہ انھوں نے ہر واقعے کے بعد یا تو ذمہ داری قبول کی یا پھر تحقیقات کے سرے ان تک پہنچے۔

"شرق شناسی" کے پہلے باب میں مصر کی پارلیمنٹ سے خطاب میں آرتھر جیمز بالفور کے ۱۳۔جون ۱۹۱۰ء کے خطاب، ایولین بارنگ، کارڈ کرومر کے جنوری ۱۹۱۰ء کے خطاب میں کیے گئے طاقت کے علم اور تجزیے کے بارے میں مستشرقین کے کردار پر بات کرتا ہے۔"شرق شناسی" دراصل مغرب کی تسلط پسندانہ سوچ کے تناظر میں وجود میں آنے والا تصور ہے۔۱۷۹۸ء میں مصر میں نپولین کی دراندازی نے اس تعلق کی بنیادیں استوار کیں۔انیسویں صدی میں مستشرق اسٹبلشمنٹ قائم ہوئی۔یہ حقیقت کے ایک سیاسی وژن کی بدولت وجود میں آئی۔"شرق شناسی" کے اُٹھائے گئے سوال کے مطابق انسانی حقیقت کو دو واضح حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔کیا انسانی حقیقت کو بانٹا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ بظاہر تو انسانی ثقافت، تاریخ، روایات، معاشرے یہاں تک کہ نسلیں بھی تقسیم کر دی گئی ہیں۔انسان ہی اس تقسیم کا خمیازہ بھگتتے رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا اس تقسیم کی سفاکی سے بچنا ممکن ہے؟ جیسا کہ لکھا گیا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"ایک طرف مغربی لوگ ہیں اور دوسری طرف مشرقی عرب ہیں۔ پہلے زمرے کے لوگ (کسی ترتیب کے لحاظ سے نہیں) منطقی، پرامن، وسیع النظر، استدلالی اور بغیر طبعی شک کے حقیقی اقدار کے علمبردار ہیں اور دوسرے زمرے کے لوگ ان میں سے کوئی بھی خاصیت نہیں رکھتے۔ کسی قسم کے اجتماعی مشرق کے بارے میں مخصوص نقطہ نظر سے یہ بیانات جنم لیتے ہیں، کون سی مہارت کی ہنرمندی ہے؟ کون سے خیالی دباؤ، کون سے ادارے اور روایات ہیں؟ کون سی تمدنی طاقتیں ہیں جو (مشرق کے بارے میں) بیانات اور نظریات میں ایسی یک رنگی پیدا کرتے ہیں جو کرومر، بالفور اور ہمارے ہمعصر سیاست دانوں کی باتوں میں پائی جاتی ہے؟"(۵)

اسی باب کے دوسرے حصّے میں سترویں صدی تک اسلام کی نمائندگی بنیادی طور پر مغرب کی بے خبری اور جہالت کا نمونہ ہے۔ یہ جہالت اب مزید نتھری ہوئی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اس کا مطلب مغرب کے علم میں اسلام کے متعلق کوئی افسانہ ہر گز نہیں ہے۔ فلسفہ کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو "شرق شناسی" انقلابی حقیقت پسندی کی ایک عمومی شکل ہے۔ مگر شرق شناسی دراصل ایک اندازِ فکر ہے اور جس کا تعلق ایک ذہنی کیفیت اور پہلے سے طے شدہ مقاصد اور اصولوں پر ہے جن کا واحد مقصد اپنے مقاصد کا حصول ہے۔

"شرق شناسی" کے مجوزہ منصوبوں کی کامیابی کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ دراصل مغرب کے کچھ منصوبے ہیں جو مشرق کی فتح اور اس پر قبضے کے سلسلے میں کارروائیاں ہیں۔ ان منصوبوں کی نوعیت اور کامیابی ظاہر کرتی ہے کہ پروپیگنڈے کے برعکس مغرب نے مشرق پر حملہ کیا ہے۔ مشرق نے مغرب پر چڑھائی نہیں کی۔ اوستا کا ترجمہ اور اپنیشد کا ترجمہ اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ دیگر منصوبوں میں ولیم جونز کا انڈیا جانا اور ۱۷۹۸ء میں نپولین کی مہم جوئی شامل ہیں۔ مصر پر نپولین کا حملہ انھی منصوبوں بلکہ توسیع پسندانہ منصوبوں کی ایک مثال ہے۔

حقیقی تعلقات کو سمجھنے کے لیے محض متون پر بھروسہ کرنے کے متنی رویے کے مقابل مشرق کی خاموشی کافی کھلتی ہے۔ دوسری طرف مشرق کی یہ خاموشی مغرب کے تسلط پسندانہ عزائم کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ انور عبدالمالک کے تصور مشرق سے تعلقات کی لزومیت، شلیگل کا نسل پرستی وغیرہ جیسے تصورات اصل جگہوں کے دورے کے موقع پر ان کے طلسم کا خاتمہ، جیسے واقعات سے شرق شناسی کے قدیم تصور میں دراڑ پڑی ہے۔ اسلام کو محض خیمے اور قبیلے سے منسوب کر کے اس کا امیج خراب کرنے کی کوشش اور اسے محض ایک ہی نظریے کے تحت سمجھنے اور سمجھانے کا طرزِ عمل نامناسب ہے۔

"مشرقیت کے بارے میں عصری رویے، پریس، اخبارات و رسائل دیگر ذرائع اور عام آدمی کے ذہن میں سیلاب کی طرح اُمڈ آتے ہیں۔ مثال کے طور پر عربوں کو اونٹ سوار، دہشت گرد اور خمدار ناک والے زبردست سمجھا جاتا ہے ---- مغرب کے ایک متوسط طبقے کا سفید پوش یقین رکھتا ہے کہ یہ اس کا انسانی حق ہے کہ وہ نہ صرف غیر سفید دنیا کا انتظام کرے بلکہ اس کا مالک بھی ہو، کیوں کہ تعین و تعریف کے لحاظ سے غیر سفید دنیا اتنی انسانی نہیں جتنا "ہم" ہیں۔ فاسد سوچ کی اس سے خالص تر مثال نہیں ملتی۔"(۶)

"شرق شناسی" کا دوسرا باب "شرق شناسی تشکیلات اور تشکیلاتِ جدید" سرحدات اور مسائل کا ازسرِنو تعین، لادینیت کا دین کے عنوان سے ہے جس میں شرق شناسی سے متعلق ایم ایچ ابرام کے فطری مافوق الفطرتیت کے تصور کے مطابق جدید شرق شناسی کے نظریے اور اطلاق کے لازمی پہلوؤں کو سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ ماضی سے وراثت سے ملے چند ڈھانچے، لادینیت اور عیسائیت کے فوق فطرتی بیانیے پر مشتمل ہے۔ سوسائٹی کے پہلے صدر اور مختلف متون اور علمی مشقوں کے پروڈیوسر ہیں۔ ارنسٹ رینان کو ایک اور قسم کی ثقافتی اور علمی شخصیت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن ایڈورڈ سعید نے اس پر بڑی سخت نسل پرستی اور تعصب کا الزام لگایا ہے۔ اس لہجے اور انداز میں سعید پر نطشے اور رولاں بارت کے اثرات ہیں۔ رینان پر اس حملے کی ایک وجہ رینان کا تاریخی نقطہ نظر ہے۔

"جو چیز رینان کے بارے میں خاص طور پر دلچسپ ہے وہ یہ ہے کہ رینان کس حد تک اپنے وقت اور اپنے نسلی مرکزیت والے تمدن کی پیداوار تھا۔ ۱۸۸۵ء میں ڈی لیسپس کی تقریر پر علمی انداز کے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے رینان نے اشارہ کیا کہ کیسے یہ بات باعث غم ہے کہ ایک آدمی اپنی قوم سے عقل مند تر ہو ----- کوئی اپنے ملک کے بارے میں تلخی کو راہ نہیں دیتا۔ رینان نے سوچا تھا، خاندانی اور بالآخر سماجی ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں اور سائنسی اور مشرقی ذمہ داریاں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔"(۷)

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

مشرق میں قیام اور علمیت کے حوالے سے اس کے مقابلے پر بھی مشرق سے روا رکھے گئے رویے نسلی تعصب کو فروغ دیتے ہیں چاہے وہ براہِ راست اس تعصب سے متاثر نہ بھی ہوئے ہوں۔ مشرق میں عالموں کے دوروں کے مختلف مقاصد ہیں مثلاً اپنی تحقیق کے لیے مواد جمع کرنا، جدید مصریوں کے رواج اور رسوم پر مواد کی جمع آوری، مکہ اور مدینہ کی ریاستیں، کسی ذاتی منصوبے کے سلسلے میں مشرق کا دورہ وغیرہ شامل ہیں۔

زائرین اور زیارتوں کے بارے میں مختلف ممالک کے مستشرقین جب مشرق کا دورہ کرتے ہیں تو ان کے رویے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی فرانسیسی مشرق کا دورہ کرتا ہے تو اسے ایک مکمل نقصان کا احساس ہوتا ہے کیوں کہ مشرق میں اسے فرانس کے نقوش اور اثرات نظر نہیں آتے۔ نروال اور فلابیر نے خصوصاً جنسی طور پر پرکشش مشرق کا نقشہ کھینچا۔ برٹن نے حقیقت میں مشرق کے متعلق کچھ لکھا اور تعریف کا مستحق ٹھہرا لیکن اس کے بیان میں تسلط پسندی اور اپنی ذات کا اثبات موجود ہے۔

عصرِ حاضر میں شرق شناسی، خوابیدہ اور بیدار ہے اس پر ایڈورڈ سعید کا کہنا ہے کہ شرق شناسی بنیادی طور پر ایک سیاسی تصور ہے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مشرق قدرے کمزور تھا اور مغرب نے اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کی تصویر بنائی۔ ثقافتی سطح پر شرق شناسی واضح اور کھلی جارحیت ہے۔ عالمی سطح پر آنے والی تبدیلیوں کے پس پشت بھی یہی شرق شناسی کار فرما ہے۔ دراصل حالیہ شرق شناسی رویہ ایک ماچومین کا سا ہے۔ وہ مشرق کو کمزور ہی سمجھتا ہے۔ کرومر اور کرزن کی تحریروں میں اس کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی تحریریں مشرق کے مغربی منتظمین کے رویے اور سوچ کی عکاس ہیں۔ بیسویں صدی میں شرق شناسی نے مشرق کو مغرب تک پہنچایا۔ گویا مشرق کو مغرب کی نظر نے شرق شناسی ہی کے ذریعے دیکھا۔

انداز کار، مہارت، فراست: شرق شناسی کی دنیاداری میں سفید فام آدمی کا تصور پیدا کرنے سے نسل پرستی کا تعصب جاگا ہے۔ جدید شرق شناسی اس کا حالا اور بنیاد دونوں ہی کو بنیادی پتھر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ شرق شناسی یا مستشرقین بنیادی طور پر مغرب کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ لوگ ایشیا کو بطور ایک خطرہ ہی سمجھتے ہیں۔ جدید برطانوی فرانسیسی شرق شناسی کا بار آور ترین زمانہ پہلی جنگ عظیم تک مستشرق کو ایک عمومی ماہر کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ایڈورڈ سعید بطور ایک مابعد جدید نقاد اس شرق شناسی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اصل معاملہ تو یہ ہے کہ کیا حقیقت میں کسی بھی شے کی نمائندگی کی جا سکتی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اس کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی چیز کی درست نمائندگی ممکن بھی ہے کہ نہیں۔ یہ مشرق کی غلط نمائندگی نہیں ہے بلکہ مشرق کی نمائندگی کچھ مخصوص مقاصد کے تحت ہے۔ یہ رجحان خاص طور پر مخصوص تاریخی، عالمانہ اور یہاں تک کہ معاشی مقاصد کے تحت پیش کی گئی تصویر ہے:

> "مغرب میں مشرق کا جائزہ لینے اور اس پر تحقیق کی ابتدا سے ایک کام جو مشرق نہ کر سکا، وہ یہ تھا کہ یہ اپنی نمائندگی نہ کر سکا۔ مشرق کے متعلق تمام تر شہادت (مواد، معلومات، علم) صرف اس صورت میں قابل اعتماد تھی جب تک کہ یہ شرق شناس کے کام کی تطہیر کرنے سے آگے نہ گزرتی اور مصدقہ نہ ہو جاتی۔ گب کا "Oeuver" اسلام (یا محمدیت) ہے جیسا کہ یہ ہے یا ہو سکتا ہے۔ مابعد الطبیعیاتی نقطۂ نظر سے کسی چیز کی روح اور اس میں ممکنہ قوت کو ایک کیا جاتا ہے اور صرف مابعد الطبیعیاتی رویہ ہی سے گب کے مقالات مثلاً "The Structure of Religious Thought in Islam" یا "An Interpretation of Islamic History" لکھے جا سکتے تھے۔"(۸)

جب کہ ایک اور جگہ پر اپنے خطبے میں ایڈورڈ سعید نے دانشور کے مقام اور مرتبے پر بھی لکھا ہے۔ ان کے خطبات میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بحث ملتی ہے۔ سعید کے خیال میں دانشوری کا مقصد اور مفہوم اب تبدیل ہونا چاہیے۔ دانشور کے مروجہ تصور اور معانی سے اختلاف کرتے ہوئے سعید نے دانش اور دانشور کو نئے معانی اور مقاصد دیے ہیں۔ ان کے خطبات میں اس مثالی تصور پر ناصر عباس نیر اپنے ایک مضمون میں یوں رقم طراز ہیں:

> "یہاں سعید ایک بار پھر مغرب کے اسلام سے متعلق ڈسکورس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ " میں نے محسوس کیا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی سے متعلق یورپ کی انتہائی ناقص بحثیں دانشورانہ طور پر اشتعال انگیز ہیں، کیوں کہ ان کا موازنہ یہودی یا عیسائی بنیاد پرستی سے نہیں کیا گیا، جو مشرق وسطی کے میرے تجربے کے مطابق غالب اور نفرت انگیز ہیں۔ گویا ان بحثوں پر یورپ کا محض ایک مقامی تناظر حاوی ہے۔ سعید خود مسلمان ملکوں میں اسلام کی بحثوں کا حوالہ نہیں دیتے، جہاں ایک طرف اسلام کے نام پر بادشاہت کے ظالمانہ نظام کی دہشت سے لے کر فرقہ وارانہ قتل وغارت کا بازار گرم ہے اور دوسری طرف مغرب کی سیکولر فکر کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو اسلام کے سلسلے میں مغربی دانشور کرتے ہیں۔ دونوں جگہ واحد، مقامی تناظر حاوی ہے۔"(۹)

موجودہ دور میں امریکن پاپولر کلچر میں جنگ عظیم اوّل کے بعد عرب کردار کا ظہور، مقبول عام تصورات، سماجی علوم میں پیش کش، مشرق وسطی کے مطالعاتی مراکز وغیرہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ درس و تدریس کے میدان میں ایڈورڈ سعید کا اہم ترین کارنامہ ان کی تصنیف "شرق شناسی" ہے۔ یہ کتاب ادبیات (انگریزی ادب، تقابلی ادب)، تاریخ اینتھروپالوجی، سوشیالوجی، ایریا سٹڈیز (بالخصوص مشرق وسطی کا مطالعہ) اور تقابلی مذہب جیسے علوم میں بیش بہا اہمیت کی حامل ہے۔

"شرق شناسی" (Orientalism) مغربی فکر کے ایک "خاص طور" پر لکھی گئی کتاب تھی۔ یہ کتاب اپنے طور پر کسی بھی حوالے سے مغربی فکر کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے نہیں لکھی گئی تھی۔ یہ نظریاتی، ثقافتی جنگوں کے انتہاؤں کے زمانے سے پہلے لکھی گئی تھی۔ جب اضافیت، اجتماعیت اور کثیر الثقافتی نظریہ جیسے خاص الفاظ وقت کی آواز ہوتا تھے۔ سعید کو عام طور پر اضافیت والوں، اجتماعیت والوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے لیکن وہ در حقیقت ان سے تعلق نہیں رکھتا۔

سعید معذرت خواہانہ رویہ نہیں رکھتا۔ مثال کے طور پر جوزف کانراڈ کا کانگو سے متعلق یہ تصور کہ لازمی طور پر یہ ایک بدعنوان جگہ ہے جہاں بے رحم آدم خور بستے ہیں، لیکن سعید نے ونراڈ کے سٹائل کے لیے پیش کردہ تحفے کی توثیق کی اور اس کے ضمنی مفاہیم تلاش کیے۔ کونراڈ یہ جان لینے میں حد درجہ فہمیدہ تھا کہ اس نے بلاشبہ خود پر کلنک لگا لیا تھا۔ کونراڈ پہچان گیا کہ شہنشاہیت کا نظریہ ایک سراب تھا، جو مکمل طور پر روایتی اسطورہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ نظریہ کہ سلطنت ہونی چاہیے نہایت اہم ہے اور یہ کہ وہ مرکزی نمایاں خوبی ہے جس میں میری دل چسپی ہے۔ ایک ثقافت کے اندر اس نظریے کے لیے ہر قسم کی تیاریاں کی جاتی ہیں اور پھر وقت اور بازی ;200;نے پر، ملوکیت ;223;شہنشاہیت ایک قسم کا واضح ارتباط حاصل کر لیتی ہے۔ حکمران کی موجودگی اور کلچر کے اندر رہتے ہوئے یکساں حکمرانی سے ملوکیت تجربات کا ایک سیٹ بن جاتی ہے۔

ادب اور آرٹ سے متعلقہ مذکورہ کے نظریات کی نشو نما و پختگی مابعد نوآبادیاتی تنقید کے میدان میں ساری کی ساری ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ حد درجہ علمی تنظیم کو قبول کر لینا کی ایک دفعہ نمائندہ ادب کی رائے پر قہقہہ زن ہوا جا سکتا ہے جیسے افریقی ادب فرانز فینن اپنی تصنیف "افتادگان خاک" میں مشرقین کے طرز عمل کو استعمار کے مختلف حربوں کے طور پر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "استعماریت محض مقبوضہ ملک کے حال اور مستقبل پر تسلط جمانے پر ہی قناعت نہیں کرتی۔ استعماریت صرف عوام کو اپنی گرفت میں لے کر اور مقامی باشندوں کے ذہن کو صورت اور معنی سے خالی کر کے ہی مطمئن نہیں ہو جاتی بلکہ یہ ایک طرح کی غیر صحت مندانہ منطق سے کام لیتے ہوئے ہر مظلوم عوام کے ماضی کے پیچھے بھی پڑ جاتی ہے اور اسے مسخ کر کے بدہئیت اور تباہ کر دیتی ہے۔----
> جب ہم ان کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں جو تہذیبی بعد پیدا کرنے کے سلسلے میں استعماری دور کا خاصہ تھیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ کوئی شے بھی محض اتفاقی نہیں اور استعماری حکومت انجام کار جو مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی وہ اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ مقامی باشندہ یقین کر لے کہ استعمار اس کے اندھیروں کو کم کرنے کے لیے آیا تھا۔"(۱۰)

ایڈورڈ سعید نے فرانز فینن ہی کی سوچ کو آگے بڑھایا ہے اور استعمار کے حربوں کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ مشرق کا مقدمہ بھی لڑا ہے۔ فینن نے افتادگان خاک کے ساتھ استعمار کے تخریبی حربوں اور ان کے مضر اثرات پر لکھا ہے جب کہ اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے ایڈورڈ سعید نے مشرق کے اپنے وجود اور تشخص کو ابھارنے کی بھرپور کوشش بھی کی ہے۔

مابعد نوآبادیاتی تنقید جو (فرانٹز)، فینن اور (ایم) ساسر کی روحانی سرپرستی کی جدوجہد سے شروع ہوئی ہم میں سے کئی جو نوآبادیاتی عہد میں بڑے ہوئے، اس حقیقت سے متصادم ہوئے حالاں کہ نوآبادکاروں اور نوآبادیوں (نوآبادکاروں کے تحت آنے والے باشندے) کو حکمرانی اور اختیار کی بنا پر ایک سخت اور تیز تر حدِ فاصل جدا کرتی ہے۔ (ایک مقامی باشندہ کبھی بھی سفید آدمی کے مقام و حالت سے متاثر نہیں ہوتا)۔ حکمران اور رعایا کے تجربات کو آسانی سے سلجھایا نہیں جا سکتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ nativism مغربی سرداری کا ایک پر اثر جواب نہیں ہو سکتا (بعد میں یہ اور زیادہ واضح ہو گئی)۔ افریقی مرکزیت میں خامیاں ہیں تو یورپی مرکزیت میں بھی خامیاں ہیں۔ نوآبادیاتی کے خاتمے کے لیے کوئی سادہ طریقہ نہیں (زیادہ محدود تر معنوں میں امریکی متحدہ ریاستیں) کسی بھی مرد یا عورت کے لیے خود کو نسل پرستی کے اثرات سے بچانے کے لیے کوئی آسان طریقہ نہیں ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

لیکن اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کئی لحاظ سے نو آبادیات ابھی تک ہمارے ساتھ ہے۔ یہ نو آبادیاتی نظام کا شاخسانہ تھا کہ ایشیا اور افریقہ میں کئی سرحدیں کھینچی گئیں، کئی ایک تو اندھا دھند بنائی گئیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ یہاں نو آبادیات کی زبان، ریاستی ہو کر بسی اور خاص طور پر نو آبادیاتی رویے جیسے معاشی ترقی کے اثرات موجود ہیں۔

ثقافت اور سامراج مترجم یاسر جواد:

ایڈورڈ سعید کی کتاب "Culture and Imperialism" کا ترجمہ "ثقافت اور سامراج" کے عنوان سے جناب یاسر جواد نے کیا ہے۔ یاسر جواد دسمبر ۱۹۷۰ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ یاسر جواد کا تعلق ایک علمی اور ادبی گھرانے سے ہے۔ ان کی والدہ سیدہ طیبہ سروش شاعرہ تھیں اور آپ کے والد سید زین العابدین ایک ماہر آرٹسٹ تھے۔ اس طرح یاسر جواد کو علمی و ادبی ماحول میں اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گزارنے کا بھرپور موقع ملا۔ یاسر جواد نے مڈل کلاس کا امتحان پی اے ایف سکول گجرات، میٹرک سینٹ جوزف ہائی سکول گجرات اور آئی کام کا امتحان پرائیویٹ اُمیدوار کی حیثیت سے پاس کیا۔ اُنھوں نے بی کام ایم اے او کالج، لاہر سے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بائیں بازو کے نظریاتی گروپ میں شامل ہو کر سیاسی و فلسفیانہ موضوعات کے مطالعہ اور بحث و مباحثہ اور علمی آگاہی کی غرض سے بھرپور کوششیں کیں۔ گروپ اسٹڈی کے تحت انھیں دنیا بھر کے موضوعات پڑھنے اور لکھنے کی طرف رجحان پیدا ہوا۔

یاسر جواد اُردو اور انگریزی کے علاوہ پنجابی اور ہندی بھی جانتے ہیں۔ عربی یا انگریزی دیوناگری اور گرمکھی رسم الخط پڑھ اور لکھ سکتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے انھیں مقامی رسائل و جرائد میں مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں پبلشنگ کے ادارے تیزی سے ترقی کر رہے تھے۔ انھیں ایک دوست کے توسط سے ایک پبلشر سے رابطہ ہوا جس کے بعد یاسر جواد کے تراجم کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی حامی بھری اور اس کے بعد کوئی سال ایسا نہ گزرا کہ ان کی ترجمہ شدہ کتابیں شائع نہ ہوئی ہوں۔ یاسر جواد نے سینکڑوں بین الاقوامی شہرت یافتہ مصنفین کی شاہکار کتب جو کہ اہم علمی موضوعات کی حامل تھیں، ان کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر کی جدید ٹیکنالوجی پر لکھی گئی کتب کے تراجم بھی شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

> "یاسر جواد نے جن بین الاقوامی شہرت یافتہ مصنفین کی کتب ترجمہ کیں ان میں "عورت" سیمون دی بودا، فرانز کافکا، "دنیا کی قدیم تاریخ" ہیروڈوٹس، کنفیوشس، امرتا پریتم، اوشو، اجیت کور، بلراج ساہنی، خوشونت سنگھ، "خدا کی تعریف" کیرن آرم سٹرانگ، ولد یورانٹ، سٹیفن ہاکنگ، "کاسموس" زندگی اور موت مصنف کارل ساگاں، "ثقافت اور سامراج" ایڈورڈ سعید، محمد ہاشمی کمالی، بروس فیلر، پاک رسل جینٹ گریسن شامل ہیں۔"(۱۱)

تراجم کے علاوہ یاسر جواد نے دو انسائیکلوپیڈیا "عالمی انسائیکلوپیڈیا" ۲۰۰۹ء دو جلدیں، ۲۵۰۰ صفحات، ۱۷۰۰۰ مندرجات اور مستند ماخذات کے حوالے سے ۶۰۰ تصاویر اور دوسرا انسائیکلوپیڈیا "ادبیات عالم" کے نام سے ۱۰۳۲ صفحات، مستند ماخذات ۵۰۰۰ مندرجات اور ۱۰۰۰ تصاویر پر مشتمل شائع کیے جو ان کی چھ سالہ محنت کا نتیجہ ہیں۔ اب تک ان کی تراجم پر مشتمل ۱۳۰ کے قریب کتب اور دو انسائیکلوپیڈیا منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے پسندیدہ مترجمین سید ذاکر اعجاز اور سید محمد تقی ہیں جب کہ یاسر جواد بھی پر علم و ادب کی جن شخصیات نے لکھا ہے ان میں افتخار عارف، سعید اللہ جان برق، عارف وقار اور انور سن رائے کے نام شامل ہیں۔ ان کے کام کو دیکھتے ہوئے بلا مبالغہ ان کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

"Culture and Imperialism"، "ثقافت اور سامراج" کے لکھنے کا مقصد ایڈورڈ سعید کے ذہن میں سامراج اور مابعد نو آدیاتی تناظر کو بیان کرنا ہے۔

باب اوّل: علاقوں اور تاریخ کا تانا بانا:

ایڈورڈ سعید اس مقصد کے تحت کیے جانے والے انفرادی کام اور تحریروں کا جائزہ لیتا ہے کیوں کہ ادب اور ثقافت کے تعلق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن بالکل ایسے ہی ادب اور سامراجیت کا تعلق بھی اتنا ہی مضبوط ہے۔ ان تعلقات کو ایک منطقی انداز سے تلاش کرنے اور پہچاننے کی ضرورت ہے۔ جب ثقافت اور سامراجیت کے مفہوم کا تعین کر لیا جاتا ہے تو ادب کا ان دونوں سے تعلق جاننا آسان ہو جاتا ہے۔

تیسری دنیا کے ترقی پذیر ملکوں کے نصاب میں شامل ادب بھی دراصل سامراجی ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے۔ یہ متون اپنی ابتدائی سطح پر ادب کے شاہکار بھی ہیں اور خصوصی سطح پر سامراج کے بڑے ہتھیار بھی۔ تین صدیوں پر پھیلے ہوئے سامراج کے عہد کو ایڈورڈ سعید نے تفہیم کی آسانی کے لیے یورپی اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

فرانسیسی عہد میں تقسیم کیا ہے۔ ثقافت کی نمائندگی اور تجسیم و تفہیم کے لیے نمائندہ ناولوں اور ایک اوپیرا کا انتخاب کیا ہے تا کہ اس مختصر پیمانے پر رکھ کر پورے نو آبادیاتی عہد کا جائزہ لیا جا سکے۔ سامراج دراصل اس طاقت ور قوت کے عمل، نظریے اور رویے کا نام ہے جو دور دراز علاقوں کو اپنے تسلط میں لیے ہوئے ہے۔ برطانیہ اور فرانس نے دنیا کے ایک بڑے حصّے کو اپنے حصار میں کیا ہوا تھا۔ صنعتی انقلاب کے لیے سستی افرادی قوت اور سستا خام مال درکار تھا جب کہ ترقی پذیر ممالک کے لیے انقلاب اور ترقی کے بلند و بانگ دعوے کیے گئے۔ قوموں کو یقین دلایا کہ ان کی بھلائی کے منصوبے صرف طاقت ور اقوام ہی بنا سکتی ہیں۔ غلام قوموں کو یقین دلایا کہ ان کے لیے یہ سب خدائی انعام سے کم نہیں اس لیے انھیں اس نعمت خداوندی کی قدر کرنی چاہیے۔

جنگ عظیم اوّل نے یورپی نو آبادکاری کا خاتمہ کیا لیکن دوسری عالمی جنگ نے اس کو بالکل ختم کر دیا۔ دو بڑی جنگوں کے نتیجہ میں ایک سرد جنگ امریکا اور روس کے درمیان شروع ہوئی۔ امریکہ نے روس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود عالمی طاقت بن کر ابھرا۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع امریکہ کا نو آبادکاری کی حکمت عملی ہے۔ انیسویں صدی مغرب کے اس عہد نو کی صدی ہے۔ اس میں کرہ ارض کے وسیع علاقوں پر اس نے اپنا تسلط قائم کیا۔ نو آبادکاری اصل میں اپنے ملک میں رہ کر دوسرے ملک پر حکومت کے لیے اپنا نظام پالیسی دینے کا ہی نام ہے۔ اس کی مثال ہندوستان پر برطانیہ کے براہ راست تعلق کا خاتمہ، الجیریا اور مراکش میں فرانس کی براہ راست دخل اندازکا اختتام کی شکل میں موجود ہے۔ روس اور فرانس نے اپنی ملحقہ زمینوں پر قبضہ جما رکھا ہے۔

غریب ملکوں میں بھوک اور افلاس ختم کرنے ان کے مسائل حل کرنے کے لیے باتیں کی گئیں۔ دنیا کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ یعنی پہلی، دوسری اور تیسری دنیا۔ اس کا حل تعلیمی کوششوں سے ممکن ہے کہ طالب علموں پر زور دیا جائے کہ وہ اپنی شناختوں یعنی ثقافت اور جمہوریت سے بالاتر ہو کر قومیت پرستی کو فروغ دیں کیوں کہ سلطنت اور ثقافت کے درمیان تعلق بہت ضروری ہے۔ سامراج نے دنیا کی انفرادی حیثیات اور شناختوں کو ختم کر کے دنیا کو محض دو خطوں اور شناختوں میں بانٹ دیا ہے یعنی مغرب اور مشرق یا سفید اور سیاہ فام۔

(باب دوم) مستحکم بصیرت:

ایڈورڈ سعید امریکہ کی خارجہ پالیسی کو نشانہ بناتا ہے تو وہ اسے نو آبادکاریوں کے بغیر سامراج کا نام دیتا ہے اور اسے ثقافتی سامراجیت کہتے ہوئے دراصل اپنے ہی نظریے کو خاموشی سے مسترد کر دیتا ہے۔ وہ برطانوی ثقافت کی اعلیٰ ترین کہانیوں میں بھی سامراج کے احساس گناہ کو تلاش کرتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ دوسری دنیاؤں پر قبضے کا ذکر سمندر پار سفر کا مقصد محض ملکوں پر قبضہ کا جنون صرف جوزف کانرڈ کے قلب ظلمات ہی میں نہیں ملتا بلکہ تھی کرے اور جین آسٹن کے ہاں بھی ملتا ہے۔ وہ جین آسٹن کے ناول مینس فیلڈ پارک کی مثال لیتا ہے اور اس کے متن میں موجود سامراجی عزائم اور مرکزی کردار کے ان عزائم سے متاثر ہونے کی بات کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ناول کی صنف کو خاص طور پر سامراجی عزائم، حوالوں، رویوں اور تجربات کا آلہ کار بنایا گیا ہے۔ اس لیے وہ ناول پر بحث کر کے اپنے نتائج اخذ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ثقافت کسی بھی قوم کی بہترین سوچ اور بہترین علم کی محفوظ شدہ شکل کا نام ہے۔ چناں چہ ادب کسی بھی قوم کی ثقافت کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔

کانرڈ آخری وکٹورین عہد کا ناول نگار ہے جو سامراج کے شدید تنقید نگاروں میں ہے جس کا ناول قلب ظلمات اب بھی دنیا کے حالات کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ اس باب میں ایڈورڈ سعید کا پیغام ہے کہ سامراجیت تاریخ کا کوئی گزرا ہوا پل نہیں بلکہ اب تک جاری اس بیانیے کا نام ہے جو حاکم اور محکوم کے دو طرفہ تعلقات کا محتاج ہے۔

(باب:سوم) مدافعت اور مخالفت:

مغرب اور غیر مغرب کے درمیان طاقت کس طرح توازن خراب کرتی ہے۔ یہ عکس ان مصنفین کی تحریروں میں خاص طور پر نظر آتا ہے جو سامراجی زبان میں لکھتے ہیں۔ چناں چہ جین آسٹن کی انٹی گوا کے ذکر کے بعد بنگالی اور ملائیشن نقطہ نظر کو پیش کیا گیا لیکن قاری پہلے ہی محسوس کرتا ہے کہ کتاب کا انداز بدل گیا ہے۔ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ نو آبادیات کے خاتمے کا مقصد اقوام کی فلاح یا بہبود نہیں بلکہ سیاسی مقاصد کے تحت نو آبادیاں ختم کی گئیں اور اس کا مقصد آزادی عطا کرنا نہیں بلکہ آزادی کا وہم عطا کرنا ہے۔ انگریزی زبان میں لکھنے والے اپنے لوگوں کے لیے حق خودارادیت ادب اور تاریخ دونوں مانگتے ہیں۔ یعنی تاریخ سے کن کن کرداروں کو پڑھا جائے گا اور ادب سے کون سے فن پاروں کا انتخاب برائے مطالعہ کیا جائے گا۔ اس کے انتخاب کا حق ان اقوام کے ہاتھ میں رکھا جائے۔ آج کی مابعد نو آبادیاتی دنیا میں بھی نو آبادیاتی اور سامراجی مقاصد کا حصول جاری ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایڈورڈسعید کا کہنا ہے کہ گلف وار کی میڈیا کوریج سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے سکولوں میں کون سا ادب پڑھایا جائے گا لیکن سعید کے اس نقطہ نظر سے ایک امید افزا پیچ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر مغرب اور اس کی محکوم اقوام کو کوئی معنی خیز اور ہم آہنگی سے بھرپور زندگی گزاری ہے۔

"شاید آپ کہیں کہ یہ سامراجیت، غلامی، تسخیر اور تسلط کی تاریخ سے آزادی کی واقفیت کی جانب لے جا سکتا ہے۔ یہ تبدیلی یا حرکت بیانیے کے پہلے سے طے شدہ ضابطوں کی مدافعت کرتی ہے لیکن جیمز کا سارا کام گواہ ہے کمیونٹی کے سماجی اصولوں، تنقیدی، ہوشیاری اور نظری رجحان کو ترک نہیں کیا گیا اور اکیسویں صدی کی جانب جاتے ہوئے یورپ اور یو ایس اے میں اس قسم کی تبدیلی کی بالخصوص ضرورت ہے۔"(۱۲)

(باب: چہارم) مستقبل میں تسلط آزادی:

اس باب تک آتے آتے ایڈورڈسعید برطانوی سامراج کی بجائے اپنا فوکس امریکی سامراج کو بناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امریکی ثقافتی سامراجیت موجودہ عہد کی نوآبادیت ہے۔ چناں چہ مغربی ادب سے اس نے محض وہ فن پارے اٹھائے ہیں جو امریکی ہیں۔ اس باب میں سعید عمومی سطح پر بہتری، دنیا کے ساتھ امریکی رویے کی بات کرتا ہے اور خاص طور پر گلف وار کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں اس کا اطلاق پوری قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ امریکیوں نے نسبتاً اس بے سوال یقین کے ساتھ ٹیلی ویژن پر جنگ کو دیکھا کہ وہ حقیقت دیکھ رہے تھے، جبکہ انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ تاریخ کی سب سے زیادہ کور کی گئی اور سب سے کم رپورٹ کی گئی جنگ تھی۔ تصاویر اور پرنٹس پر حکومت کا مکمل کنٹرول تھا اور نمایاں امریکی میڈیا نے ایک دوسرے کی نقل کی اور پھر سی این این وغیرہ نے ان سے نقل کر کے دنیا بھر میں دکھایا، دشمن کو پہنچنے والے نقصان پر بہ مشکل ہی کوئی توجہ دی گئی جبکہ کچھ دانشور خاموش اور لاچار محسوس کر رہے تھے یا پھر انھوں نے "عوامی" مباحث میں اس طرح حصّہ لیا کہ جنگ کرنے کی سامراجی خواہش تنقید سے بچی رہے۔" (۱۳)

گلف وار کی کوریج میں خصوصاً اسلام کا ایک خاص اور محدود متشددانہ امیج پیش کیا گیا۔ ایسے مصنفین اور نمائندوں کو راتوں رات شہرت مل گئی جو عرب کا ایک خاص امیج بنا کر پیش کر رہے تھے۔ ہر ملک میں اس بات پر بحث جاری ہے کہ کیا اور کیسے پڑھا جائے۔ چناں چہ اس بات پر احتجاج کیا گیا ہے کہ کیوں یہ چاہا جاتا ہے کہ ہم انھی مٹھی بھر یونانی اور روشن خیالی کے عہد فلسفیوں کو پڑھیں جو امریکہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ شرفا کے لیے اس کی تھیوری سے مطابقت رکھتے ہیں:

"سامراجیت نے عالمی سطح پر ثقافتوں اور شناختوں کے ایک مغلوبے کو مجتمع کیا۔ لیکن اس کا بدترین اور نہایت پیراڈاکسیکل تحفہ لوگوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ وہ بس سفید فام یا سیاہ فام یا مغربی یا مشرقی ہی تھے۔ تاہم جس طرح انسان اپنی تاریخ بناتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی ثقافتیں اور نسلی شناختیں بھی تخلیق کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص طویل روایات، پائیدار اقامت، قومی زبانوں اور ثقافتی جغرافیوں کے متواتر سلسلے سے انکار نہیں کر سکتا لیکن ان کی علیحدگی اور امتیاز اصرار کرتے رہنے کی (وجہ سے انسان ہونے کا بس یہی مطلب ہو) میں خوف اور تعصب کے سوا کوئی اور وجہ کار فرما نہیں۔"(۱۴)

اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ مترجم ظہیر جاوید:

"اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ" کے نام سے ایڈورڈ سعید کی کتاب "Covering of Islam" کے مترجم جناب ظہیر جاوید ہیں جن کا اتنا ہی تعارف بہت کافی ہے کہ وہ اُردو ادب کی نامور شخصیت چراغ حسن حسرت کے بیٹے ہیں۔ ظہیر جاوید کی ولادت ۱۰۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کو انھیں آنکھ کھولتے ہی نہایت باعزت اور ادبی خیالات کے گھرانا دیکھنے کو میسر ہوا۔ ظہیر جاوید کے والد ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف رہتے تھے جس کے باعث ان کو بھی یہ عادت ورثے میں نصیب ہوئی۔ انھیں اُردو کے ساتھ ساتھ انگریزی پر بھی مکمل عبور حاصل رہا۔ ظہیر جاوید سائنس کے طالب علم تھے اور وہ بڑے ہو کر سائنس دان بننا چاہتے تھے لیکن والد کی وفات کے بعد انھیں اپنے علم کا رُخ تبدیل کرنا پڑا۔

آپ کی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء میں جرنلسٹ کی حیثیت سے ایک اخبار سے ہوا۔ یہاں انھیں ترجمہ سے متعلق اُمور پر دسترس حاصل ہوئی کیوں کہ اخبار میں بہت سی خبروں کو ترجمہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے ظہیر جاوید ایک مترجم اور صحافی کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ ظہیر جاوید کو جنرل ضیاء الحق کے دور

میں جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں جہاں ان کے ساتھ دو فلسطینی اور دو عیسائی بھی قید تھے جو ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ظہیر جاوید کہتے ہیں کہ میں نے بہت کم شاعری کی ہے۔ انھوں نے امام خمینی پر بھی کام کیا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی وجہ شہرت "اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ" کے مترجم کی وجہ ہے۔ انھوں نے ایڈورڈ سعید کی اس کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے مصنف کی دیگر کتب کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ترجمہ میں ایک تکنیک اختیار کی گئی ہے جو کتاب کے آخر تک باقی رہتی ہے۔ وہ پی ٹی وی میں نیوز ایڈیٹر بھی رہے اور ریڈیو پاکستان سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کے ذخیرہ کتب میں بہت ساری نایاب کتب شامل ہیں جن کے ساتھ وہ اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے۔ ظہیر جاوید کا کہنا ہے کہ پڑھنے لکھنے کے کام کے لیے تنہائی اور فکر بہت ضروری ہے۔ ظہیر جاوید کا انتقال ۱۹۔ جنوری ۲۰۱۸ء کو راولپنڈی میں ہوا اور انھیں لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔[۱۵]

"اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ" ایڈورڈ سعید کی کتاب "Covering of slam" کا اُردو ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب کی اشاعت سے دنیا بھر میں اسلام کے منفی امیج کی پیش کش میں شدت ہی آئی ہے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس عرصے میں پریشان کن واقعات اور حادثات میں اضافہ بھی ہوا جس میں ۱۹۸۸ء میں پین ایم فلائٹ ۱۰۹ میں دھماکہ، سلمان رشدی کے خلاف امام خمینی کا فتوی، طالبات کا ظہور، ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں تباہی، بوسنیا، چیچنیا اور فلسطین پر مغربی حملوں کے نتیجے میں جنگجو مسلمانوں کی نمو جیسے واقعات شامل ہیں لیکن مسلمانوں اور اسلام سے متعلق یہ عمومی رویہ نہ صرف یہ کہ غیر ذمہ دارانہ ہے بلکہ ناقابل قبول بھی ہے۔

اسلام کو عام طور پر بنیاد پرست اور کٹر مذہب قرار دے کر میڈیا پر اس کی وہی تصویر دکھائی جاتی ہے۔ اسلام کا یہ امیج اور اس کا یہ تصور اسرائیل کی خوشنودی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہ تصور جارحیت اور اسلام کو کم تر بنا کر پیش کرنے کا رویہ صرف اسرائیل ہی نہیں تمام دوسرے مغربی ذرائع ابلاغ کا رویہ بن چکا ہے۔ تہذیبوں کے تصادم اور اس نظریے کے فروغ میں کئی صحافی اور صحافت سرگرم عمل ہیں۔ "اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ" کی اشاعت کے ساتھ ہی "شرق شناسی" سے شروع ہونے والے اس سلسلے کا اختتام ہوا جس میں یہ تین کتب "شرق شناسی"، "فلسطین کا سوال" اور "اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ"۔ اس کتاب کا موضوع مغربی اور خصوصاً امریکہ کا اسلام دنیا کے ستّر کی دہائی کے بعد کا سلوک ہے جو مخالفانہ، مخاصمانہ اور معاندانہ ہے۔

"اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ" کے موضوع میں ذومعنویت ہے۔ یعنی اسلام کی کوریج اور اسلام کی اصلیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش۔ اسلام دراصل مغرب کی ایک مخصوص بیماری کا نام ہے۔ مابعد نوآبادیاتی دنیا میں مغرب کا اسلام کے خلاف اتفاق رائے ہو چکا ہے اور یہی اس کتاب کا مطمع نظر ہے۔ اس کتاب کا موضوع مغرب کی نظر میں اسلام کی اہمیت اور صورت ہے۔

(باب: اوّل) اسلام بطور خبر:

اسلام اور مغرب:

شرق شناسوں کے نزدیک اسلام ایک خوفناک خبر ہے۔ وہ اسلام کو شدید خفگی، جارحیت اور بے رحمی سے دیکھتے ہیں۔ اس بے رحمی میں خوف کی علامت بھی ہے۔ ۱۹۷۸ء کے انقلاب ایران کے بعد سے تو خاص طور پر انھوں نے اسلام کو اسی نقطہ نگاہ سے دیکھا ہے۔ نیویارک ٹائمز کے حوالے سے جان کا فرونی کے مطابق اسلام کی ایک اپنی اہمیت بھی ہے لیکن اسلام سے مراد گیارہ ستمبر بھی ہے۔ برطانیہ کے برعکس امریکہ کا اسلام سے بلاواسطہ تعلق یا دل چسپی نہیں رہی ہے۔ ۱۹۷۸ء کے انقلاب سے پہلے امریکہ کا مطالعہ اسلام زیادہ تر پرانا اور قدیم ہی رہا۔ انھوں نے اسے معاصر حالات سے اب جوڑنا شروع کیا ہے۔ وہ اسے طاقت کے مدار سے جوڑتے ہیں۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق:

> "امریکہ کے نزدیک اسلام کے معنی یہ ہیں کہ خارجہ تعلقات کی کونسل اپنی پالیسی مرتب کرتے ہوئے اس بات کو دھیان میں رکھے کہ اسلام ایک خطرہ ہے یا اس کی حقیقت ایک ایسے فوجی چیلنج کی ہے جس کی مثال اُن اقوام اور بے شمار ثقافتوں میں نہیں ملتی جن کے ساتھ امریکہ نے تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔ یورپ میں اسلام کے متعلق جو پختگی پائی جاتی ہے اس کے آثار میں اسلام کے متعلق امریکہ کے تجربات میں نظر آتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اُنیسویں صدی میں امریکہ کا اسلام کے ساتھ بڑا محدود رابطہ تھا۔"[۱۶]

جدیدیت اور جدید کاری کے نظریے کے تحت ایران کے اسلامی انقلاب کو ایک بنیاد پرستانہ اور خطرناک رجحان کے طور پر دیکھا گیا اور اس نقطہ نظر کا پرچار پالیسی میکرز، ماہرین تعلیم اور صحافیوں کے ذریعے اسرائیلی دخل اندازی اور امداد کے تحت کیا گیا۔

ترجمانی کے طبقے:

صحافتی منظرنامے پر اسلام کا اچانک ظہور اوپیک کے ساتھ ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ مائیل وانزر، فلور ایلوس اور سیموئیل پی ہنگسٹن نے تنقید کی۔ ان میں سے کوئی بھی اسلام کو غیر جانب دارانہ انداز میں سمجھ کر اُس پر بات کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ لوگ صرف اسلام کی تشریح اور ترجمانی کے گروہ بنے ہوئے ہیں کیوں کہ کسی ایک کا براہ راست تعلق یا رابطہ سچائی یا حقیقت سے نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ سچ اور سچائی کا وجود نہیں ہے بلکہ ہم سچ اور حقیقت کو اس درجہ گھٹا کر پیش کرنے کے رجحان رکھتے ہیں کہ اپنی مرضی کی سچائی دیکھتے ہیں۔

۲۔ شہزادی کی کہانی:

۱۹۸۰ء میں پبلک براڈ کاسٹنگ سروس نے ایک فلم "شہزادی کی موت" دکھائی اس فلم کی بدولت برطانیہ اور سعودی عرب میں تلخیاں پیدا ہوئیں۔ اس فلم میں نہ صرف اسلام کی توہین کی گئی تھی بلکہ سعودیوں کے طرز انصاف پر انگلی بھی اٹھائی گئی تھی:

"امریکی ٹیلی ویژن کا کوئی بھی ایسا پرائم ٹائم شو نہیں ہے جس میں نسلی امتیاز کی کہانیوں اور مسلمانوں کے متعلق توہین آمیز خاکوں کو شامل نہ کیا جاتا ہو۔ یہ تمام پروگرام واضح عدالتی انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ چناں چہ ایک مسلمان یا اسلام کا جو تصور باندھا جاتا ہے اس کا ان خاکوں کے ذریعے تمام مسلمانوں پر اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ یہیں تک نہیں ہے بلکہ ہائی سکول کی نصابی کتب، ناولوں، فلموں، اشتہاروں تک کو دیکھیے ان میں بھی یہ ملیں گے۔ ان کے مضامین کو دیکھ کر یہ سوچ اُبھرتی ہے کہ ان سے اسلام کے متعلق کس قدر آگاہی ہو سکے گی، لوگ اسلام کے کتنے قریب ہوں گے؟ شیعہ اور سنی اسلام کے متعلق معلومات کتنے بڑے پیمانے پر پھیل سکیں؟ ان مضامین سے ان میں سے کوئی بھی بات ممکن نہیں ہوتی البتہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ایک منفی تاثر ضرور پھیلتا ہے۔"(۱۷)

(باب: دوم) ایران کی کہانی:

مقدس جنگ:

امریکی میڈیا میں اسلام کے متعلق تجزیے کا رجحان جاننے کے لیے ایرانی یرغمالیوں کے بحران پر بحث مباحثہ دیکھنا ہوگا۔ امریکہ کو دفاعی انداز میں پیش کیا گیا۔ اسلام اور شیعہ اسلام کو خاص طور پر زور دے کر پیش کیا گیا۔ اسلام سے ناواقفیت کا یہ عالم تھا کہ نام تک درست نہیں کیے گئے:

"والٹر کرون کا بیٹا ناموں کا صحیح تلفظ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جب بھی اس نے قطب زادے کا نام لیا اس کا تلفظ بگاڑ دیا۔ زیادہ تو وہ اسے "گابوزڈے" کہتا رہا۔ اسی طرح ۲۸۔ نومبر کو سی پی ایس نے بہشتی کو "ناشپاتی" کہہ دیا اور یہ بات بھی کہنے سے نہ رہ جائے کہ ۷۔ دسمبر کو اے بی سی منتظری کا نام بدل کر "مونٹسری" بنا دیا۔ بے خبری کے اس انداز کو سامنے رکھیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب مغرب اسلام کی مختصر تاریخ پیش کرتا ہے تو اس کا الجھاؤ یا تو اسے احمقانہ بنا دیتا ہے یا اس میں شامل غلط بیانی اسے خوف ناک روپ دے دیتی ہیں۔" (۱۸)

ایران کا ضیاع:

پبلک براڈ کاسٹنگ سروس کا عجیب و غریب طریقے سے غیر مطمئن کرنے والا کردار تھا۔ ایران میں طاقت کے لیے جدوجہد وحدانیت کے اصول کے منافی ہے لیکن ایرانی جدوجہد کی رپورٹنگ کرنے والے میڈیا نے اسلام میں مطلق طاقت اور وحدانیت کا عنصر بھی موجود ہے اور تمام تر طاقت کا سرچشمہ خدائے واحد کی ذات ہے:

"ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے نیٹ ورک کے لائق رپورٹروں میں سے مارٹن ڈین، جون کوچران اور جارج لیوئیس کو اس لیے "ماہرین" کا درجہ حاصل کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ انھیں صورت حال کا دوسروں سے زیادہ علم تھا بلکہ انھیں یہ مقام اس مفروضے پر عطا کیا گیا کہ اگر یہ ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہریں گے تو آپ اس جگہ کو زیادہ بہتر جان لیں گے اور اچھی طرح بیان کر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو رپورٹ ہمارے سامنے ہوتی ہے اس میں رپورٹر کوئی تنقیدی جائزہ پیش نہیں کرتا بلکہ اس کی حتی المقدور کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح اپنی رپورٹ مکمل کر لے۔"(۱۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایڈورڈ سعید کے مطابق غیر مصدقہ رپورٹنگ بُری بات ہے لیکن ایسے حالات جن میں تبدل و تغیر کی گنجائش نہ ہو ان پر مفروضوں پر مبنی رپورٹنگ کرنا نامناسب ہے۔ امریکہ کو ان ممالک کو سبق سکھانے اور اپنے دائرہ اختیار سے باہر جانے پر تشویش رہتی ہے جو بہر حال اس کے دائرہ اختیار میں نہیں ہیں۔ ایران کے بعد افغانستان ایک دوسرے ملک کے طور پر امریکہ کے قبضے میں آگیا اور اس کی رپورٹنگ کے دوران اس بات کے قوی امکانات تھے کہ شاید اب کچھ وفادار مسلمانوں کو اچھے مسلمان بنا کر پیش کیا جاوے گا کیوں کہ ایران کے متعلق رپورٹنگ میں یہ پہلو سامنے رکھا جاتا تھا کہ اسلام اور ایران متشدد اور پسماندہ جب کہ مغرب ترقی یافتہ ہے۔ چناں چہ ایران کے پسماندہ لوگوں کو مغرب کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے میں مشکل ہو گی۔

(باب سوم):علم اور طاقت:

اسلام تشریح میں سیاست کا عمل دخل:

برنارڈ لیوس کے مطابق شرق شناس اس مفروضے کا شکار رہے ہیں کہ وہ اسلام کا مکمل "علم" حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ مشرق وسطیٰ کے مطالعے کی ایسوسی ایشن کی ایک ٹیم کے ماہرین اس نتیجے پر پہنچے کہ ایریا سٹڈیز کا مقصد مطالعاتی یا تحقیقاتی نہیں بلکہ سیاسی ہوتا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں اسلام کا منفی امیج بکنے والی چیز ہے۔ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کی بدولت ایسا ہوا کہ اب ماہرین اسلام کے بارے میں موجود بدگمانیوں کو چیلنج کرنے کی بجائے میڈیا کے سٹیریوٹائپس کی حمایت کرنے کا کام کرتے ہیں۔ البتہ اس کے متصادم رائے بھی موجود ہے جس کو پیدا کرنے والے سیاسی طور پر ایماندار ہیں یا حامد الغرانہ کی طرح بوڑھے عالم۔

علم اور اس کی ترجمانی:

انسانی معاشرے کے متعلق تحریریں، فیصلے اور ترجمانی پر مبنی ہیں۔ ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی دل چسپی یا مفاد شامل رہتا ہے۔ اسلام پر معاصر تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی میڈیا پر پیش کش میں کیا کیا مقاصد اور مفادات کار فرما رہے ہیں۔ کسی دوسرے کے بارے میں جاننے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ فاصلہ ہے لیکن مشرق اس فاصلے کو اختیار کا نام دیتے ہیں اور اس کا استعمال اپنے مقاصد کے لیے کرتے ہیں :

> "دوسری ثقافتوں، معاشروں اور مذاہب کا علم بالواسطہ طور پر ان شہادتوں کی آمیزش پر استوار ہے جو کسی سکالر کے ذاتی حالات سے وجود میں آتی ہے، ان میں وقت، جگہ، ذاتی صلاحیت، تاریخی حالات کے ساتھ ساتھ مجموعی سیاسی صورتِ حال بھی سامنے آتی ہے اسی لیے سوچنا پڑتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو اس طرح کے علم کو درست یا غلط قرار دیتی ہے اور اسے بد، بُرا اور اچھا کے درجوں میں بانٹ دیتی ہے۔"(۲۰)

حوالہ جات

۱۔ Said Edward, (7 May 1988), Between World: a Memorie London. Review of Books. P-3-7, Retreiveel on 6 June 2013,10.30 p.m

۲۔ شائستہ سجاد سید، ایڈورڈ سعید کی کتب کے تراجم کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ ایم۔ فل (اُردو) وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۷ء، ص ۵۷

۳۔ محمد عباس، مترجم، شرق شناسی، ایڈورڈ ڈبلیو سعید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۳

۴۔ ظفر احمد، ڈاکٹر، (مشمولہ) تخلیقی ادب، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوءجز، اسلام آباد، شمارہ ۸، جون ۲۰۱۱ء، ص ۳۷۱

۵۔ محمد عباس، مترجم، شرق شناسی، ایڈورڈ ڈبلیو سعید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۵۸-۵۷

۶۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۶۵-۱۶۴

۸۔ ایضاً، ص ۳۱۲

۹۔ شائستہ سجاد سید، ایڈورڈ سعید کی کتب کے تراجم کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ ایم۔ فل (اُردو) وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۷ء، ص ۶۹-۶۸

۱۰۔ فینن فرانز، افتادگان خاک، مترجم نگارشات پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۱۸۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

۱۱۔ شائستہ سجاد سید، ایڈورڈ سعید کی کتب کے تراجم کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ ایم۔ فل (اُردو) وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۷ء، ص۵۹

۱۲۔ ایڈورڈ سعید، یاسر جواد، مترجم، ثقافت اور سامراج، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص۲۵۷

۱۳۔ ایضاً، ص۲۸۰-۲۷۹

۱۴۔ ایضاً، ص۳۰۸

۱۵۔ شائستہ سجاد سید، ایڈورڈ سعید کی کتب کے تراجم کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ ایم۔ فل (اُردو) وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۷ء، ص ۶۱-۶۰

۱۶۔ ایڈورڈ سعید، ظہیر جاوید، مترجم، اسلام اور مغربی ذرائع ابلاغ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۷ء، ص۹۲- 91

۱۷۔ ایضاً، ص۱۵۷

۱۸۔ ایضاً، ص۱۷۵

۱۹۔ ایضاً، ص۱۹۷-۱۹۸

۲۰۔ ایضاً، ص۲۶۵